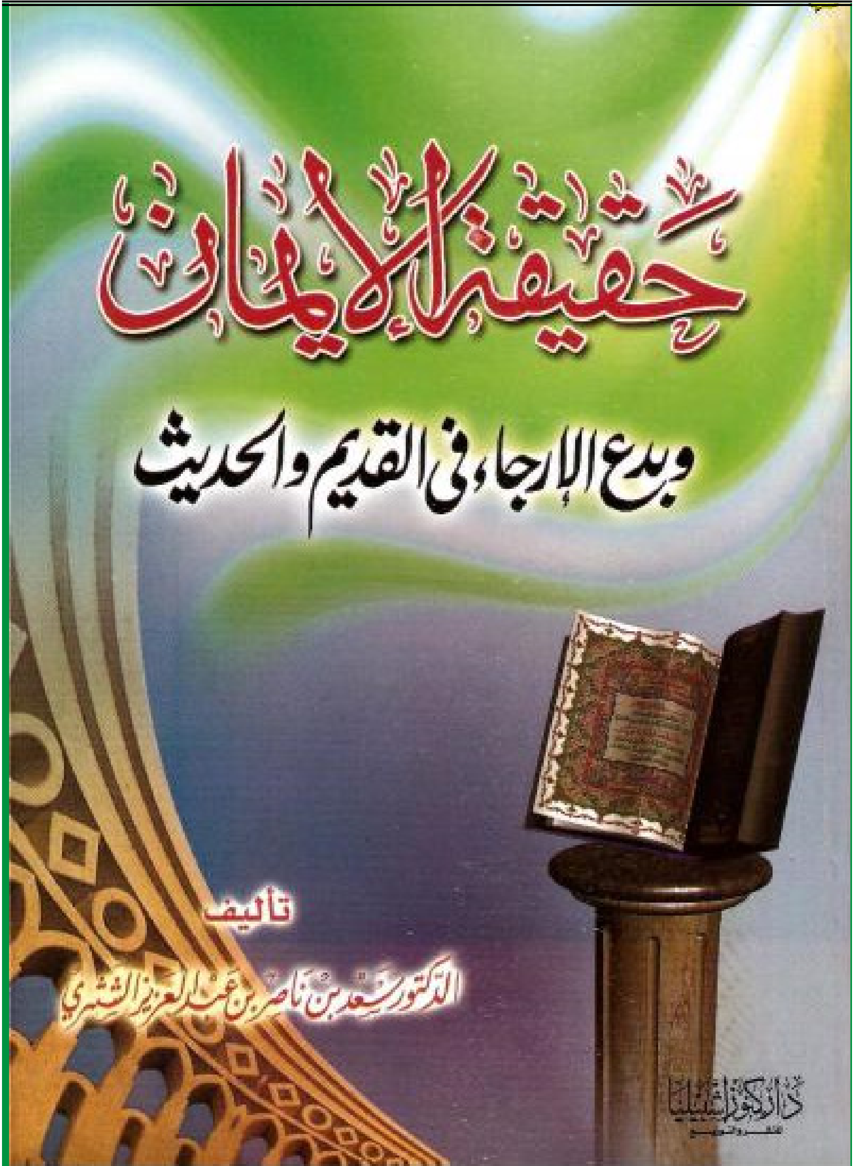


ترجمہ: ابوزینب

حقيقة الايمان

وبدع الإرجاء في القديم والحديث

ایمان کی حقیقت

اور قدیم وجدید مرجئہ کی بدعتیں

تاليف: الدكتور سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشثري

ترجمہ: ابو زینب

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ ❶ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ [آل عمران:102]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا پورا حق ہے، اور تمہیں موت بھی نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (النساء:1)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (حق مانگتے ہو) اور رشتہ داریوں کا بھی خیال رکھو، بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ [الاحزاب:70-71]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے عظیم کامیابی پالی۔ اَمَّا بَعْدُ

تو آج جس موضوع پر میں بات کرنا چاہتا ہوں ❷ وہ ہے: ’’حقيقة الإيمان

والتحذیر من الإرجاء ’’یعنی ایمان کی حقیقت اور اِرجاء (یعنی گمراہ فرقہ مرجئہ) سے ڈرانا اور متنبہ کرنا۔ یہ موضوع بہت ہی اہم اور نازک بھی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام ایمان کی حقیقت پر موقوف ہیں۔ ان میں سے چند اہم مثالیں یہ ہیں: مسئلہ تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا)، یہ حکم لگانا کہ فلاں شخص اسلام میں داخل ہو چکا ہے یا نہیں، اور محرمات میں سے سب سے بڑا احرام کام یہ ہے کہ بغیر شرعی دلیل کے کسی مسلمان کو اسلام سے نکال دیا جائے، یا یہ کہ جس مکلف (بالغ عاقل) کے بارے میں نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہو کہ وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا، اسے زبردستی مسلمان کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل کر لیا جائے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے جو عقدی اختلافات پیدا ہوئے، ان میں یہ مسئلہ سب سے مقدم تھا۔ یہ اختلاف خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں ہی شروع ہو گیا تھا، پھر اس کے بعد نزاع اور تنازع بہت بڑھتا چلا گیا۔

یہ مسئلہ اتنا گہرا اور اہم ہے کہ اسی ایک موضوع پر ہزار ہا کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں، اور اب بھی اس بارے میں قلم اٹھتا رہتا ہے، چنانچہ آج میں اللہ کی توفیق سے ایمان کی حقیقت پر تفصیل سے گفتگو کروں گا کہ شرعی نصوص میں ایمان کی حقیقت کیا ہے، سلف صالحین کے نزدیک اس کی حقیقت کیا تھی، اور ان کے مخالفین یعنی وعیدیہ اور مرجئہ نے اسے کیسے مسخ کیا۔

---

❶ یہ خطبۃ الحاجہ ہے، جیسا کہ اسے امام ابن ماجہ (1892)، ابوداؤد (2118)، ترمذی (1105)، نسائی (6/89) اور احمد (1/432 ح4116) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب خطبۃ الحاجہ از شیخ البانی رحمہ اللہ، ص10۔

❷ یہ اصل متن ایک مکمل محاضرہ تھا جو مسجد امام ترکی بن عبداللہ (جامع کبیر) ریاض میں 5/6/1422ھ کو سماحۃ المفتی اعلیٰ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ حفظہ اللہ کی موجودگی میں ارشاد فرمایا گیا تھا۔ اللہ انہیں علم وتقویٰ میں مزید اضافہ عطا فرمائے۔

ایمان کی حقیقت شرعی نصوص میں

لفظِ ایمان اور اس کی تمام مشتقات قرآنِ مجید میں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ بار آئی ہیں، جبکہ سنتِ نبوی میں اس کا تذکرہ اس سے کئی گُنا زیادہ ہے۔شرعی نصوص کے الفاظ کی تفسیر کا مستقل اصول یہ ہے کہ انہیں سب سے پہلے شرعی اصطلاح کے مطابق سمجھا جائے، اگر شرع میں کوئی خاص اصطلاح نہ ملے تو زبان کی طرف رجوع کیا جائے، اور اگر زبان میں بھی واضح نہ ہو تو عرفِ عام کی طرف۔لیکن جب قرآن وحدیث میں موجود کسی لفظ کا مطلب خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہو جائے تو پھر اس کے معنی سمجھنے کے لیے نہ اہلِ لغت کے اقوال کی ضرورت رہتی ہے اور نہ عربوں کے استعمال کی شہادتوں کی اور نہ ہی لوگوں کی عقلوں کی۔ایمان کا نام شرع میں وارد ہونے والے عظیم ترین ناموں میں سے ایک ہے کیونکہ اس پر دنیا وآخرت کے بے شمار بڑے بڑے احکام مرتب ہیں، لہٰذا اس کی وضاحت کی ضرورت دیگر تمام الفاظ سے کہیں زیادہ ہے۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کے معنی کو اس قدر کھول کر بیان فرما دیا کہ اب اسے سمجھنے کے لیے نہ لفظ کے اشتقاق کی ضرورت رہتی ہے، نہ عربوں کے محاوروں کی اور نہ ہی انسانی عقل کے قیاسوں کی۔اس لیے ان دینی ناموں اور ان کی حقیقتوں کو سمجھنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے بیان کی طرف لوٹنا ضروری ہے کیونکہ وہ بیان شفاء بھی ہے اور کافی بھی ہے۔ایمان کا لفظ قرآن وحدیث میں دیگر تمام الفاظ سے زیادہ دہرایا گیا ہے، وہ دین کا اصل ہے، اسی کے ذریعے لوگ اندھیروں سے نکل کر نور کی طرف آتے ہیں، اسی سے سعادت منداور شقاوتمند الگ کیے جاتے ہیں، اسی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کا فیصلہ ہوتا ہے، اور سارا دین اسی کے تابع ہے۔ ہر مسلمان کو اس کی معرفت کی سخت ضرورت ہے۔تو کیا یہ جائز ہوسکتا ہے کہ اتنے عظیم الشان احکام اس پر مرتب ہونے کے باوجود رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے معنی کو واضح کیے بغیر چھوڑ دیا ہو؟ ہر گز نہیں!

جب یہ بات طے ہو گئی کہ ایمان کے معنی کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے شرعی نصوص ہی کی طرف رجوع کرنا لازم ہے، تو جو شخص بھی قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے لفظِ الایمان پر غور کرتا ہے، وہ بخوبی دیکھ لیتا ہے کہ جن شرعی نصوص میں ایمان کا لفظ آیا ہے، وہ تین قسموں پر مشتمل ہیں:

شرعی نصوص کی پہلی قسم: وہ ہے جس میں ایمان کا لفظ ظاہری حال کے اعتبار سے بالکل عام طور پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی جس نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا اور ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر لیا، اسے مؤمن کہہ دیا جاتا ہے، چاہے وہ کامل مؤمن ہو، چاہے فاسق ہو، اور چاہے منافق بھی ہو (جب تک اس کا نفاق ظاہر نہ ہو جائے)۔

اس قسم کی نصوص میں جب مؤمنوں کو کوئی خطاب کیا جاتا ہے یا ان کا ذکر آتا ہے تو اس میں یہ سب داخل ہوتے ہیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ۔[الممتحنة:10]

یعنی اگر تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ عورتیں (مہاجر) مؤمنہ ہیں (یعنی انہوں نے اسلام کا اظہار کر دیا)، تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اسی طرح فرمایا:

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔[النساء:92]

یعنی: ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا۔

یہاں مؤمن سے مراد وہ ہے جو ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکا ہو، چاہے اس کے دل کا حال کچھ بھی ہو، کیونکہ انسانوں کو دل کا حال معلوم نہیں ہوتا)۔

یہ وہی معنی ہے جس سے دنیاوی تمام شرعی احکام وابستہ ہیں، جیسے خون اور مال کی حفاظت، وراثت کے حقوق، حدود کا نفاذ، نکاح کی جوازیت، جنازہ پڑھانا، قبرستان میں

دفن کرنا، سلام کا جواب دینا اور دیگر تمام وہ احکام جو ظاہری اسلام کے اقرار پر موقوف ہوتے ہیں۔

شرعی نصوص کی دوسری قسم وہ ہے جس میں الایمان، المؤمن اور الذین آمنوا جیسے الفاظ کو مطلق ایمان کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی اس میں داخل وہ شخص بھی ہے جو فرائض ادا کرتا ہو اور محرمات سے بچتا ہو، اور وہ فاسق بھی جو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو مگر کفر تک نہ پہنچا ہو۔

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، جیسے بار بار آنے والا خطاب:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [البقرة:172]

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!

اور فرمایا:

﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [البقرة:278]

اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

اسی معنی میں ہے اللہ کا فرمان:

﴿وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [المائدة:43]

یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبة:66]

اب عذر نہ کرو، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

اسی دوسری قسم کے ایمان کی طرف اشارہ ہے سورۃ الحجرات میں جہاں اللہ نے اعرابیوں سے فرمایا:

﴿بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [الحجرات:

[17

بلکہ اللہ تم پر احسان کرتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم سچے ہو۔

یہاں اللہ نے ان کے لیے مطلق ایمان کو ثابت کیا، یعنی اسلام اور ظاہری ایمان کو، جبکہ اسی سورۃ میں چند آیتیں پہلے ان سے کامل ایمان کا انکار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا﴾ [الحجرات:14]

کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔

یہ تیسری قسم کا ایمان ہے (یعنی کمالِ ایمان)، اور یہی اہلِ علم کا صحیح قول ہے، خواہ کچھ جماعتوں نے اس میں اختلاف کیا ہو۔

شرعی نصوص کی تیسری قسم: لفظِ ایمان کا استعمال الایمان المطلق کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس میں داخل نہیں ہوتا مگر وہی شخص جو مؤمن ہو، واجبات کو انجام دیتا ہو اور محرمات کو چھوڑتا ہو، اور یہی وہ ہے جس سے آخرت کی مدح اور ثواب متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ [یونس:2]

اور جو ایمان لائیں انہیں یہ خوشخبری سنائے کہ انہیں اپنے رب کے ہاں پہنچ کر پورا مرتبہ ملے گا۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبہ:72]

ترجمہ: اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے وعدہ کیا جنتوں کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے، اور پاکیزہ مکانات جناتِ عدن میں، اور اللہ کی طرف سے رضا جو سب سے بڑی چیز ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾ [البینہ:7-8]

بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی بہترین مخلوق ہیں۔ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس جنتیں عدن ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرا۔

اوراسی طرح دنیا کی نعمتوں میں سے بھی، جیسے اس کا قول سبحانہ:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ [غافر:51]

ترجمہ: بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد ضرور کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ [مریم: 96]

بے شک جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ [ابراهيم:27]

ترجمہ: اللہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے ثابت بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [الحج:38]

بے شک اللہ ایمان والوں سے دشمنوں کو ہٹا دے گا۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [الحج:54]
ترجمہ: اور بے شک اللہ ایمان لانے والوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔
﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الروم:47]
اور ہم پر حق تھا مؤمنوں کی مدد کرنا۔
اور اسی طرح کی دیگر نصوص۔
اسی تیسری قسم میں سے ہیں اللہ عزوجل کا یہ فرمان:
﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ [الانفال:2]
حقیقی مؤمن تو صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔
اور فرمایا:
﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ [المؤمنون: 2-1]
کامیاب ہوگئے وہ مؤمن، وہ جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔
اور فرمایا:
﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ۝ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ [السجدة:15-16]
ہماری آیات پر تو صرف وہی ایمان لاتے ہیں جو جب ان کی نصیحت کی جائے تو سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کی پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ

پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اور اسی قسم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(لا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ)

زانی جب زنا کرتا ہے اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا۔

(بخاری 2475، مسلم 45، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے)

اور آپ کا یہ فرمان:

(لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(بخاری 13، مسلم 45، انس رضی اللہ عنہ سے)

اسی تیسری قسم میں سے وہ دلائل بھی ہیں جو اسلام کے نام کو ثابت کرتے ہیں اور ایمان کے نام کی نفی کرتے ہیں، یعنی یہ نصوص ایمان مطلق (کامل ایمان) کی نفی کرتی ہیں، نہ کہ مطلق ایمان (ظاہری ایمان یا اسلام) کی۔اس کے علاوہ ان نصوص کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جب اسلام اور ایمان دونوں ایک ساتھ ذکر ہوں تو ہر ایک کی تفسیر دوسرے سے مختلف معنی میں کی جاتی ہے، جیسا کہ حدیثِ جبرائیل میں ہے۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تفسیر ظاہری اعمال سے کی اور فرمایا:

(اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو)۔

اور ایمان کی تفسیر ایمان کے پانچ اصولوں سے کی اور فرمایا:

(الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته وبلقائه وتؤمن بالبعث)

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس سے ملاقات پر، اور بعث (دوبارہ اٹھائے جانے) پر ایمان لاؤ)۔

[بخاری:50، مسلم:9، ابو ہریرہ سے، اور مسلم:8، ابن عمر سے، جس میں مزید ہے: ''اور تقدیر پر ایمان لاؤ۔'']

اسی طرح جب ایمان کو تنہا ذکر کیا جائے تو اس میں اسلام بھی شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ وفدِ عبد القیس کی حدیث میں ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(أتدرون ما الإيمان بالله وحده، شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وصيام رمضان وأن تعطوا الخمس من المغنم)

(کیا تم جانتے ہو کہ ایک اکیلے اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ یہ ہے شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، اور مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ دینا)۔

[بخاری:53، مسلم:17، ابن عباس سے]

لفظِ ایمان کا ان تینوں معنوں پر دلالت کرنا بالکل اسی طرح ہے جیسے لفظِ الصلاۃ اور الحج تین معنوں پر دلالت کرتا ہے: یہ ظاہری عمل پر بھی بولا جاتا ہے، یہاں تک کہ منافقوں اور ریاکاروں کے عمل پر بھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء:142]

اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے، اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

اور صلاۃ اس مقدار پر بھی بولا جاتا ہے جو صرف جائز اور ادا کرنے والی ہو، اور صلاۃ اس کامل نماز پر بھی بولا جاتا ہے جس میں تمام ارکان، واجبات اور مستحبات شامل ہوں۔ اسی طرح حج اور غسل کو بھی کامل، مجزی (جس سے فرض ادا ہو جائے) اور فاسد (جس کا فساد معلوم نہ ہو) تینوں پر بولا جاتا ہے۔ اور یہی معاملہ لفظِ شجرہ (درخت) کا ہے کہ وہ

اس پر بھی بولا جاتا ہے جس کی کچھ شاخیں کاٹ دی گئی ہوں۔

اب رہا ایمان کے متعلق (یعنی ایمان کن چیزوں سے وابستہ ہے)، تو شرعی نصوص بہت زیادہ تعداد میں ایسی آئی ہیں جو صاف بتارہی ہیں کہ ایمان دل اور زبان اور جوارح (اعضاء) تینوں سے مل کر بنتا ہے۔

کچھ نصوص ایسی ہیں جو بتاتی ہیں کہ ایمان دل سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ [الحجرات:14]

اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اور فرمایا:

﴿كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾ [المجادلہ:22]

اس نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا۔

اور فرمایا:

﴿وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ﴾ [المائدۃ:41]

اور ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

اسی طرح کچھ نصوص ایسی بھی آئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ ایمان زبان سے بھی متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران:7]

اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [النور:51]

مؤمنوں کا قول تو بس یہی ہوتا ہے کہ جب انہیں اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ فوراً کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی ،اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اسی طرح بہت سی نصوص ایسی بھی آئی ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ ایمان جوارح (اعضاء) کے اعمال سے بھی متعلق ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[البقرة:278]

اللہ سے ڈرواور جوسود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

اورفرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[الأنفال:1]

پس اللہ سے ڈرواور اپنے باہمی تعلقات درست کرلواور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم سچے مؤمن ہو۔

اورحدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(الإيمان بضع وستون شعبة، أعلاها قولُ لا إله إلا الله) ایمان کی ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں ہیں،سب سے اعلیٰ شاخ ''لا إله إلا الله'' کہنا ہے[یہ زبان سے کہنا ہے] (وأدناها إماطة الأذى عن الطريق) سب سے نچلی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے[یہ جوارح کا عمل ہے] (والحياء شعبة من الإيمان) اورحیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔[یہ دل کا عمل ہے]۔

[بخاری:9،مسلم:35،الفاظ مسلم کے ہیں،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے]

سلف صالحین کے نزدیک ایمان کی حقیقت

اہلِ سنت والجماعۃ نے ایمان کی حقیقت کو اس طرح پہچانا ہے کہ ایمان ہے [1]:

(قول باللسان، اور اعتقاد بالجنان، اور عمل بالجوارح والأركان)

زبان سے اقرار، دل سے یقین، اور اعضاء وجوارح سے عمل۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

(الإيمان قول وعمل يزيد وينقص)[2]

ایمان قول اور عمل ہے، طاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے شروع میں ہی لکھا:

(وهو قول وفعل يزيد وينقص...)

اور ایمان قول اور عمل ہے، بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے......

یہاں تک کہ فرمایا:

(والحب في الله والبغض في الله من الإيمان)[3]

اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض رکھنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

یہ بات صرف ان دونوں ائمہ کا قول نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ سنت کا اجماع ہے، جیسا کہ کئی بڑے علماء نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہلِ سنت یعنی اہلِ اثر فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے، اور کوئی عمل نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اہلِ سنت کے نزدیک ایمان طاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے، اور تمام طاعتیں ایمان کا درجہ رکھتی ہیں، پھر انہوں نے مرجئہ فقہاء کے خلاف ذکر کیا۔

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

شرعی اور مطلوب ایمان وہی ہے جو اعتقاد اور قول اور عمل تینوں پر مشتمل ہو۔ یہی بات اکثر ائمہ کی طرف گئی، بلکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابو عبید اور کئی دوسرے علماء نے اسے اجماع قرار دیا کہ ایمان قول اور عمل ہے، بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے [5]۔

امام بغوی رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح السنہ میں فرماتے ہیں:

صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد اہلِ سنت کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان کا حصہ ہیں۔۔۔اور انہوں نے کہا کہ ایمان قول اور عمل اور عقیدہ تینوں کا نام ہے [6]۔

کسی کو یہ گمان بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف ہے، کیونکہ جو لوگ ایمان کو صرف قول اور عمل تک محدود کرتے ہیں، ان کی مراد زبان کا قول اور دل کا قول (یعنی اعتقاد) دونوں ہیں۔ جو لوگ اعتقاد کا لفظ الگ سے شامل کرتے ہیں، وہ صرف اس خوف سے کرتے ہیں کہیں کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ دل کا قول (یعنی تصدیقِ قلبی) ایمان میں داخل نہیں۔ کچھ نے کہا: قول اور عمل اور نیت، اور کچھ نے مزید کہا: اور اتباعِ سنت، اس لیے کہ قول اور عمل تب ہی اللہ کو پسندیدہ ہوتے ہیں جب وہ سنت کے مطابق ہوں۔

سہل بن عبد اللہ التستری رحمہ اللہ سے جب ایمان کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا:

ایمان قول اور عمل اور نیت اور سنت چار چیزوں کا نام ہے؛ کیونکہ اگر صرف قول ہو اور عمل نہ ہو تو وہ کفر ہے، اگر قول اور عمل ہو لیکن نیت نہ ہو تو وہ نفاق ہے، اور اگر قول اور عمل اور نیت ہو لیکن سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ بدعت ہے [7]۔

❶ بہتر یہ ہے کہ (عبارۃ) (عبارت) نہ کہا جائے، کیونکہ تعریف ہی دراصل وہ معرّف (حقیقت) ہے۔
❷ جیسا کہ امام احمد کے بیٹے عبداللہ بن احمد نے اپنے والد سے کتاب السنہ (1/207) میں روایت کیا ہے۔
❸ صحیح البخاری: کتاب الایمان۔
❹ التمہید 9/238، اور دیکھیے: شرح اصول الاعتقاد للالکائی 4/832، اور فتح الباری 1/47۔
❺ تفسیر ابن کثیر 1/39، سورہ البقرہ کی آیت ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ کے تحت۔
❻ شرح السنہ للبغوی 1/38۔
⑦ مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ (7/171)

ایمان کی حقیقت میں اہلِ سنت کے مخالفین کا موقف

جب سلف صالحین کا مذہب ایمان کے بارے میں واضح ہو گیا تو ہم پر یہ بات بالکل کھل گئی کہ سلف نے دو غلط اور گمراہ کن مذاہب کے درمیان بہترین اعتدال اور حسنہ اختیار کیا: ایک طرف وعیدیہ کا مذہب (یعنی خوارج اور معتزلہ) اور دوسری طرف مرجئہ کا مذہب۔

وعیدیہ یعنی خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں کہ:

صاحبِ کبیرہ (بڑا گناہ کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

خوارج تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ بالکل کافر ہو گیا۔

جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ نہ مؤمن ہے نہ کافر، بلکہ منزلتین بین المنزلتین (ایمان اور کفر کے درمیان ایک درمیانی مقام) میں ہے۔

اور سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ معتزلہ خود کو اہلِ عدل کہتے ہیں، پھر وہی لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی کبیرہ گناہ کرلے تو اس کے پہاڑوں جتنے نیک عمل بھی برباد ہو جاتے ہیں اور سب ضائع کر دیے جاتے ہیں!

وعیدیہ کا مذہب سراسر باطل ہے کیونکہ متواتر اور صریح نصوص اس بات پر دلالت کرتی

ہیں کہ صاحبِ کبیرہ ایمان کے دائرے سے بالکل خارج نہیں ہوتا۔اسی لیے قاتل پر قصاص، چور پر ہاتھ کاٹنا، شرابی پر کوڑے اور قاذف پر اسی کوڑے لگتے ہیں۔اگر کبیرہ سے ایمان ہی نکل جاتا تو ان سب پر حدِ ردّت لگتی اور انہیں قتل کر دیا جاتا۔قتل کو ہی لے لیجیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لا يزال المسلم في فسحة من دينه ما لم يصب دماً حراما)❶

مسلمان اپنے دین میں کشادگی اور نرمی میں رہتا ہے جب تک کہ حرام خون نہ بہائے۔

پھر بھی قرآن میں قاتل کو مؤمن ہی کہا گیا۔اللہ نے قصاص کا حکم دیتے ہوئے قاتل اور مقتول کے اولیاء دونوں کو یوں مخاطب کیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾

اے ایمان والو! تم پر قتل کے معاملے میں قصاص فرض کر دیا گیا۔

پھر فرمایا:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾[البقرة:178]

پھر جس شخص کے لیے اس کے (مقتول کے) بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو چاہیے کہ اچھے طریقے سے (دیت کا) مطالبہ کیا جائے۔

یعنی قاتل کو﴿الذین آمنوا﴾ سے نکالا نہیں بلکہ مقتول کا بھائی کہا۔

اسی طرح فرمایا:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾[الحجرات:9]

اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔

یہاں قتال کے باوجود انہیں مؤمن ہی کہا اور آخر میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾[الحجرات:10]

بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو

یہ آیتیں بالکل صاف بتاتی ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ایمان سے بالکل خارج نہیں ہوتا، بلکہ وہ مؤمن ہی رہتا ہے، البتہ گناہ گار اور ناقص الایمان ضرور ہو جاتا ہے۔ یہی اہلِ سنت والجماعۃ کا درست اور متوازن موقف ہے۔

❶ اس حدیث کو امام بخاری نے (6862) ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے نکالا ہے۔

وعیدیہ کے رد میں سب سے زیادہ صریح اور کھلی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [فاطر:32]

پھر ہم نے یہ کتاب ان بندوں کو ورثہ میں دی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، پس ان میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے، کوئی اعتدال پر ہے، اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والا ہے۔

یعنی اللہ نے ظالم لنفسہ (یعنی کبیرہ گناہ کرنے والا) کو بھی اس امتِ محمدیہ میں سے قرار دیا جسے کتاب (قرآن) کا وارث بنایا گیا، یعنی وہ امت کے اندر ہی ہے، اسے امت سے نکالا نہیں گیا، نہ اسے کافر کہا گیا اور نہ "منزلة بين المنزلتين" میں ڈالا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ [النساء:48]

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا گناہ معاف کر دے گا۔

یہ آیت توبہ کرنے والوں کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ توبہ تو شرک سمیت ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے۔

وعیدیہ (خوارج اور معتزلہ) کو اس حدیث سے بہت ڈرنا چاہیے جو حضرت جندب بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(قال رجل: واللہ لا يغفر اللہ لفلان، فقال اللہ عز وجل: من ذا الذي يتألى علي أن لا أغفر لفلان إني قد غفرت له وأحبطت عملك)[1]

ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ فلاں آدمی کو ہرگز نہیں بخشے گا! تو اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ کون ہے جو میرے اوپر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا؟ میں نے اس (گناہ گار) کو معاف کردیا اور تیرے عمل کو ضائع کردیا!

اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آخر میں فرمایا:

(تكلم بكلمة أوبقت دنياه وآخرته)[2]

اس شخص نے ایک جملہ بولا جس نے اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد کردیں۔

---

[1] (صحیح مسلم:2621)

[2] اسے امام ابوداؤد(4901)، امام احمد(2/323) اور ابن حبان(5712) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

مرجئہ کا قول

وعیدیہ کے مختلف گروہوں کے مقابلے میں مرجئہ کے گروہ ہیں، اور یہ بھی کئی قسم کے ہیں۔ خود ابوالحسن اشعری نے مرجئہ کے بارہ مختلف فرقے گنوائے ہیں[1]، اور ان کے بعد بھی مزید گروہ وجود میں آئے۔ مرجئہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ: ایمان بغیر کسی عمل کے بھی درست اور مکمل ہوجاتا ہے۔ یعنی انہوں نے تمام اعمال (چاہے فرائض ہوں یا نوافل) کو ایمان پر کوئی اثر انداز ہونے سے بالکل مؤخر اور الگ کردیا، اور کہا کہ عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں، نہ وہ ایمان بڑھاتا ہے، نہ گھٹاتا ہے، اور نہ اس کی کمی سے ایمان جاتا رہتا

ہے۔یہی ان کی اصل گمراہی ہے۔

❶ مقالات الاسلامیین ص(120)۔

ان کے اس قول کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے قرآنِ مجید، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم کے صریح بیانات سے منہ موڑ لیا اور اپنی عقل اور اپنے فہم سے عربی زبان کے جو محاورے انہوں نے سمجھے، انہی پر بھروسہ کیا۔اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بدعتی فرقے قرآن کی تفسیر اپنی رائے، اپنی عقل اور اپنے سمجھے ہوئے زبان کے معنی سے کرتے ہیں۔ وہ نہ تو تفسیرِ ماثور، نہ حدیث کی کتابوں اور نہ ہی سلف صالحین کے آثار پر بھروسہ کرتے ہیں؛ بلکہ وہ صرف کتبِ ادب اور اپنے بڑوں کے لکھے ہوئے کتبِ کلام پر انحصار کرتے ہیں۔یہی ان کی سب سے بڑی غلطی اور گمراہی کی اصل وجہ ہے۔

چونکہ ہمارا مقصد مرجئہ کے نظریات کو سمجھنا اور پھر کتاب وسنت اور سلفِ امت کے اجماع سے ان کا علمی اور مدلل رد کرنا ہے، اس لیے میں سب سے پہلے اس فرقے کے سب سے نمایاں اور حق وصواب کے بالکل خلاف نظریات کو ایک ایک کر کے پیش کروں گا، اور ہر ایک کا قرآن وحدیث اور سلف کے اقوال سے واضح رد پیش کروں گا۔ان شاء اللہ اس کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ مرجئہ کا موقف نہ صرف قرآن وسنت سے ٹکراتا ہے بلکہ سلف صالحین کے اجماع کے بھی سراسر خلاف ہے۔

کسی پر بھی کسی عمل یا قول کی بنا پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا

مرجئہ کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کے قول یا عمل کی وجہ سے کافر نہیں کہا جا سکتا، کفر تو صرف دل کے اعتقاد سے ہوتا ہے۔یعنی جو شخص دل سے کفر نہ رکھتا ہو، وہ چاہے منہ سے کفر ہی کیوں نہ بک جائے یا کفر والے کام ہی کیوں نہ کرتا رہے، وہ کافر نہیں ہوگا۔ یہ بات سراسر غلط ہے اور شرعی نصوص کے بالکل خلاف ہے۔قرآن وحدیث میں

تین سو سے زیادہ واضح دلائل موجود ہیں کہ کفر صرف دل کے اعتقاد سے ہی نہیں بلکہ زبان کے قول اور اعضاء کے عمل سے بھی واقع ہوجاتا ہے۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾[النحل:106-107]

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے،سوائے اس کے جو مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو،لیکن جس نے کفر کے لیے اپنا سینہ کھول دیا،تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے عظیم عذاب ہے۔یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ:اللہ نے کفر سے صرف اس شخص کو مستثنیٰ کیا جو مجبور کیا گیا، اور اکراہ تو صرف قول یا عمل پر ہوتا ہے۔یعنی کفر زبان سے یا عمل سے بھی واقع ہوجاتا ہے۔پھر اللہ نے فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ﴾[النحل:107]

یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا کفر کسی دل کے اعتقاد یا جہالت یا دین سے بغض یا اس قسم کی دیگر قلبی باتوں کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اللہ نے ان پر کفر کا حکم لگایا،

حالانکہ وہ دل سے دین کی صداقت جانتے اور اسے پسند بھی کرتے تھے،صرف اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی چیزوں کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوئے کوئی ظاہری کفر والا عمل کر دیا۔

اور یہ چیز (یعنی دنیا کی ترجیح) تو درحقیقت محض ظاہری اعمال ہی میں ہوتی ہے۔

یہ آیت مرجئہ کے دعوے کو براہِ راست جھٹلا دیتی ہے کہ: کفر صرف دل سے ہوتا ہے، ظاہری عمل سے کبھی کفر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾[التوبہ:65-66]

اگر تم ان سے پوچھو تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو بس لغو باتوں اور کھیل تماشے میں تھے۔ کہہ دو: کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟ اب عذر نہ کرو، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے، اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔

یہ آیت بالکل صاف بتاتی ہے کہ ان منافقوں کا صرف ایک زبانی مذاق اور کفر بھرا کلام ہی کفر تھا، وہ دل سے کفر نہیں مانتے تھے بلکہ کہہ رہے تھے کہ ہم تو بس کھیل رہے تھے، (لیکن اللہ نے ان کے اسی قول کی وجہ سے انہیں کافر قرار دے دیا اور فرمایا: قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[المائدہ:72]

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو خود مسیح ابن مریم ہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾[المائدہ:73]

یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین کا (یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس)۔

تو ان پر کفر کا حکم صرف ان کے اس قول کی وجہ سے لگایا گیا، اور یہ نہیں فرمایا کہ جنہوں نے یہ بات دل سے مانی۔اور اصولِ فقہ کے قواعد میں سے یہ ہے کہ جب کسی حکم کو کسی وصف سے معلق کیا جائے تو وہ وصف ہی اس حکم کی علت ہوتا ہے۔پس جب اللہ نے کفر کا حکم اس مخصوص قول سے معلق فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ قول ہی کفر کا حکم لگانے کی علت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا﴾[التوبہ:74]

یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسی بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے تو کفر کا کلمہ کہہ ہی دیا تھا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے، اور انہوں نے وہ کام کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔

یہ منافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی پڑھتے تھے، زکوٰۃ بھی دیتے تھے، لیکن بس ایک کفر والا جملہ منہ سے نکل گیا تو اللہ نے فوراً انہیں کافر قرار دے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا

مِّثْلُهُمْ﴾[النساء:140]

اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوجائیں، ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہوجاؤ گے۔

یہاں اللہ نے صاف فرمادیا کہ صرف سنی سنائی بات بھی کفر ہوتی ہے، اور جو شخص اللہ کی آیات کے ساتھ کفر اور مذاق کرے، وہ فوراً کافر بن جاتا ہے۔اللہ نے اس کفر کو دل کے اعتقاد سے مشروط نہیں کیا، بلکہ محض زبان سے نکلنے والے جملے کو ہی کفر قرار دے دیا اور فرمایا کہ اگر تم اس کی مجلس میں بیٹھے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا:

﴿أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾[البقرہ:34]

اس نے انکار کیا، تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔

یعنی ابلیس کا کفر کسی دل کے غلط عقیدے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ صرف ایک ظاہری عمل (اللہ کے حکم پر سجدہ نہ کرنا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے تکبر کی وجہ سے اللہ نے اسے فوراً کافر قرار دے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾[آل عمران:32]

ترجمہ: اے نبی! کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقینی بات ہے کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

یعنی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیا، اللہ نے فوراً انہیں کافر قرار دے دیا، اور یہ حکم صرف ان کے منہ موڑنے (یعنی ایک ظاہری عملِ نافرمانی)

کی وجہ سے لگایا گیا۔

کفر بعض اوقات محض دین سے منہ موڑنے اور اعراض کرنے سے بھی ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾[الأحقاف:3]

اورجن لوگوں نے کفر کیا، وہ تو اس چیز سے منہ موڑنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا۔

یعنی اللہ نے انہیں صرف اس لیے کافر کہہ دیا کہ وہ نصیحت اور دین سے روگردانی کر رہے تھے، نہ انہوں نے کفریہ قول کہا، نہ کوئی غلط عقیدہ رکھا، بس سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔اسی طرح فرمایا:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ﴾[السجدة:22]

ترجمہ:اوراس شخص سے بڑھ کر ظالم کون کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ پھیر لے؟ بے شک ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ [البقرہ:102]

ترجمہ: سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

یعنی شیاطین کا کفر اس لیے ہوا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھا رہے تھے،اور جادو سکھانا ایک ظاہری عمل ہے۔

بہت سے (بڑے علماء نے) اجماع نقل کیا ہے کہ بعض اعمال سے بھی کفر واقع ہو جاتا ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں:

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ ❶

امام ابوثور رحمہ اللہ ❷

امام ابن حزم رحمہ اللہ ❸

امام ابن العربی مالکی رحمہ اللہ ❹

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ❺

شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ ❻

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ ❼

تمام فقہاء (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) نے اپنی کتابوں کے باب الردّہ میں لکھا ہے کہ بعض مخصوص قول اور بعض مخصوص عمل کفرِ اکبر ہیں جن سے آدمی دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

موجودہ دور کے بعض لوگوں کے ذہن میں ایک بڑا اشبہہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ کچھ بڑے علماء نے فرمایا: ہم مسلمانوں میں سے کسی کو گناہ ⑧ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ تو وہ فوراً سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان علماء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عمل یا کوئی قول انسان کو اسلام سے خارج ہی نہیں کر سکتا۔ یہ بہت عجیب استدلال ہے! کیا قرآن وحدیث کی صریح نصوص کو چھوڑ کر چند مصنفین کے الفاظ سے دین سمجھا جائے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ جب علماء نے یہ جملہ کہا ہم کسی مسلمان کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے تو اس کا مقصد وعیدیہ (خوارج اور معتزلہ) کا رد تھا جو ہر چھوٹے بڑے گناہ پر آدمی کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ معصیات اور گناہوں سے کفر نہیں ہوتا، لیکن وہ مخصوص

اقوال اور اعمال جو شریعت نے کفر قرار دیے ہیں (مثلاً اللہ اور رسول کا انکار، سحر سکھانا، آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑانا وغیرہ) ان کا تو ذکر ہی نہیں کیا گیا اس جملے میں۔ جو شخص کوئی واضح مکفر کر بیٹھے، وہ اب مسلمانوں میں سے ہی نہیں رہا، اس لیے وہ اس جملے ہم مسلمانوں میں سے کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے میں داخل ہی نہیں ہوتا۔لہٰذا یہ جملہ مرجئہ کا ثبوت نہیں بلکہ وعید یہ کا رد ہے،اور اسے غلط سمجھنا سراسر غلط فہمی ہے۔

---

❶ تعظیم قدر الصلاۃ 2/93،الصارم المسلول ص152۔
❷ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی 4/849۔
❸ الفصل 3/249۔
❹ احکام القرآن 2/976۔
❺ الصارم المسلول ص514۔
❻ مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ 1/380۔
❼ یہ تفصیل شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب کشف الشبہات کی شرح میں صفحہ 102 پر ملے گی۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے علامہ علوی بن عبدالقادر السقاف کی رسالہ(التوسط والاقتصاد فی أن الکفر یکون بالقول أو الفعل أو الاعتقاد) (یعنی اعتدال اور درمیانی راستہ اس بات میں کہ کفر قول سے بھی،عمل سے بھی اور عقیدے سے بھی ہوسکتا ہے)۔اور مذکورہ بالا علماء کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے ائمہ نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے کہ کفر محض دل کے عقیدے تک محدود نہیں، بلکہ بعض اقوال اور اعمال بھی انسان کو کافر بنا دیتے ہیں۔
⑧ جیسا کہ عقیدہ طحاویہ میں بھی ہے۔

کچھ معاصرین کے ذہن میں اس شبہہ کے آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے بعض علماء کا کفر کو دو قسموں میں تقسیم کرنا دیکھا: کفرِ اکبر جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے،اور کفرِ اصغر جو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ کچھ علماء نے دوسرے کو کفرِ عملی اور پہلے کو کفرِ اعتقادی کا نام دیا۔

یہ صرف ایک اصطلاح ہے جس میں غالباً دیکھا گیا ہے،یعنی زیادہ تر کفرِ اعتقادی ہی ملت سے خارج کرتا ہے، جبکہ کفرِ عملی نہیں کرتا۔لیکن حقیقت میں یہ اصطلاح بھی قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے سامنے کھڑی نہیں ہوسکتی۔لہٰذا ان نصوص کو چھوڑ کر محض علماء کی

اصطلاحات سے استدلال کرنا، اور پھر انہی سے مرجئہ والا نتیجہ نکالنا، نصوص کی صریح مخالفت ہے۔

بعض موجودہ مرجئہ (جو خود کو سلفی بھی کہتے ہیں) کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ جو لوگ جب کہتے ہیں کہ بعض مخصوص قول یا عمل سے کفر ہو جاتا ہے تو وہ فوراً انہیں خوارج اور تکفیری کہہ کر گالیاں دینے لگتے ہیں۔ یہ دراصل سلف صالحین پر دوہرا ظلم ہے: پہلا ظلم یہ کہ انہوں نے سلف کی طرف ایسی بات منسوب کردی جو سلف کا مذہب کبھی نہیں تھا۔ دوسرا ظلم یہ کہ اگر ان کی بات مان لی جائے تو خود سلف بھی خوارج اور تکفیری نکل آتے ہیں، کیونکہ سلف تو کھلے عام بعض اعمال پر کفر کا فتویٰ دیتے تھے! مثال کے طور پر سلف کی جماعت نے جادو سکھانے والے کو کافر قرار دیا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بنا پر:

﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ [البقرہ:102]

اور وہ دونوں (ہاروت اور ماروت) کسی کو جادو نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو صرف ایک آزمائش ہیں، پس تم کفر نہ کرو۔

سلف صالحین میں سے ایک بڑی جماعت نماز چھوڑنے والے کو کافر قرار دیتی ہے، اور ان کا قول بہت مضبوط ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(إنَّ بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة) (مسلم: 82)

بے شک مرد اور شرک وکفر کے درمیان صرف نماز چھوڑنا حائل ہے۔

اور فرمایا:

(العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر)

ہمارے اور منافقوں کے درمیان عہد نماز ہے، جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

(اسے بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ سب حضرات روایت کرتے ہیں: ترمذی (2623)، ابن ماجہ (1079)، اور اسے صحیح قرار دیا ہے ابن حبان (255) اور حاکم (1/7)، اور ذہبی نے بھی حاکم کی تصحیح کی تائید کی)

مزید فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کو وضو کے سفید نشانات سے پہچانا جائے گا❶، توجس نے نماز کے لیے وضو ہی نہ کیا، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہچانیں گے ہی نہیں، یعنی وہ امت سے خارج ہوگا۔

❶ أخرجه البخاري (136) ومسلم (246) من حديث أبي هريرة

جولوگ اس پر اختلاف کرتے ہیں، ان کا سب سے بڑا سہارا یہ حدیث ہے کہ:

(ومن لم يأت بهن فليس له عند الله عهد إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة)❶

جوشخص پانچوں نمازیں نہیں پڑھتا، اللہ پر اس کا کوئی حق نہیں، اللہ چاہے اسے عذاب دے اور چاہے جنت میں داخل کر دے۔

❶(أخرجه أبو داود (1420) والنسائي 1/230، وأحمد 5/315 من حديث عبادة)

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

یہ بہت کمزور دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں نماز کا بالکل ترک مراد نہیں، بلکہ نماز پڑھنا مگر وقت، طمانیت یا خشوع میں کمی کرنا مراد ہے۔

خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ:

(خمس صلوات من أحسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة)

جوشخص اچھی طرح وضو کرے، وقت پر نماز پڑھے، رکوع اور خشوع مکمل کرے تو اللہ نے اس کے لیے مغفرت کا وعدہ کیا۔ اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ پر اس کا کوئی حق نہیں، چاہے تو عذاب دے، چاہے تو جنت دے۔

(أخرجه أبو داود (1420) والنسائي 1/230، وأحمد 5/315 من حديث عبادة، مجموع الفتاوى 7/612).

اگر کوئی پوچھے کہ: پہلے والے قدیم مرجئہ کا مذہب زیادہ خطرناک تھا یا آج کل کے یہ نئے مرجئ؟۔

جواب یہ ہے کہ: آج کے یہ متأخر مرجئ اپنے قدیم بڑوں سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہیں، ایک وجہ سے۔ قدیم مرجئ تو کم ازکم اتنا مانتے تھے کہ بعض اعمال اور اقوال کفر کی علامت ہیں، اس لیے دنیا میں اس شخص پر حدِ ردّت لگائی جائے گی، اسے قتل کیا جائے گا، اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، وراثت نہیں ملے گی، الغرض دنیا کے سارے احکامِ کفر اس پر لگائیں گے، البتہ آخرت میں اللہ جانے کیا کرے گا۔ لیکن آج کے یہ نئے مرجئ تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں! وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اسے مسلمان ہی سمجھتے ہیں، یعنی حدِ ردّت کو بالکل ختم کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بت کو سجدہ کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والا، جادو کرنے والا، یہ سب دنیا میں بھی مسلمان رہیں گے، انہیں کوئی سزا نہیں ہوگی، نہ قتل، نہ جدائی، نہ کچھ! یہ قدیم مرجئوں سے بھی بڑھ کر گمراہی ہے، کیونکہ انہوں نے شریعت کے ایک بڑے حصے یعنی ارتداد کی حدودوں کو ہی اڑا دیا۔

البتہ ایک دوسری جہت سے آج کے یہ متأخر مرجئ قدیم مرجئوں سے کم سخت ہیں۔ وہ کم سخت اس لیے ہیں کہ یہ لوگ عمل کو ایمانِ مطلق کے نام میں داخل کرتے ہیں، یعنی کہتے ہیں کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ یہ سب ایمان کا حصہ ہیں۔ جبکہ قدیم مرجئ تو یہ بھی نہ مانتے تھے؛ وہ تو کہتے تھے کہ ایمان صرف دل کی تصدیق ہے، عمل کا ایمان سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ: کیا ان موجودہ دور کے مرجئوں کی غلطی پر یقینی طور پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، یا یہ مسئلہ ظنی (یعنی اجتہادی اختلاف والا) ہے؟

ہم کہتے ہیں: ان موجودہ مرجئوں کے مذہب کو رد کرنے والے دلائل قطعی الثبوت بھی

ہیں اور قطعی الدلالۃ بھی ہیں۔ اگر صرف ایک ہی مذکورہ بالا قرآنی آیت بھی آتی تو ہم یقین کے ساتھ کہتے کہ مخالف غلطی پر ہے، پھر یہاں تو متواتر اور لگاتار آیات و احادیث کا سلسلہ چلا آرہا ہے جو ان کے موقف کو غلط ثابت کرنے میں ایک زبان ہوگئی ہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ: کیا جو شخص ایسی بات (یعنی عمل یا قول سے کفر نہیں ہوتا) کہے، اسے سلف کے مذہب سے منسوب نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ سلف کے طریقے کے بالکل خلاف ہے؟

جواب یہ ہے کہ: یہ لوگ جن مسائل میں سلف کے ساتھ ہیں، وہاں سلف کے پیروکار ہیں، لیکن اس خاص مسئلے (یعنی قول اور عمل سے کفر نہ ہونے) میں وہ سلف کے مذہب پر نہیں ہیں۔ ایک آدمی کا ایک یا دو مسائل میں غلطی کر لینا اسے مطلقاً مذمت والا نہیں بنا دیتا، نہ ہی اس پر گناہ لازم ہوجاتا ہے۔ بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دل سے حق تلاش کرنے کی پوری کوشش کرے، لیکن اس تک شرعی دلائل نہ پہنچ سکیں، تو وہ گناہ کا مستحق نہیں ہوتا، چاہے اس کا نتیجہ غلط ہی کیوں نہ نکلا ہو، یہ بالکل سلف صالحین کا ہی مذہب ہے، چاہے معاملہ اعتقادی مسائل کا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:16]

یعنی اللہ سے جتنا ہو سکے ڈرو (یعنی پوری طاقت لگادو حق تک پہنچنے میں)۔

اور فرمایا:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ [الأحزاب:5]

یعنی تم سے جو غلطی ہو جائے اس میں کوئی گناہ نہیں، گناہ تو اس چیز میں ہے جسے تمہارے دلوں نے جان بوجھ کر اختیار کیا۔

اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کی ہر قسم کی غلطی سے گناہ اور جناح کو ہٹا دیا ہے۔ اور

اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ لفظ کے عموم پر عمل ہوتا ہے، سببِ نزول کی تخصیص پر نہیں۔اس لیے یہ حکم اعتقادی غلطیوں کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[النساء:115]

اور جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت بالکل واضح ہو چکی ہو، اور وہ مؤمنوں کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جہاں وہ خود پھرا پڑا، اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

اس آیت سے دلالتِ خطاب (یعنی لفظ کے برعکس جو بات سمجھ میں آتی ہے) سے یہ بات بالکل صاف نکلتی ہے کہ اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا جب تک کہ: اس پر حق بالکل واضح نہ ہوجائے، اوراس پر پوری شرعی حجت قائم نہ کردی جائے۔

لیکن اگر یہ قطعی دلائل کسی مکلف تک پہنچ جائیں، اسے ان پر عمل کرنے کی پوری گنجائش ہو، پھر بھی وہ سستی، لاپرواہی اور اللہ کی حدود پامال کرتے ہوئے ان کی مخالفت کرے تو بلاشبہ وہ غلطی پر بھی ہے اور گناہگار بھی۔ایسا کرنا دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی طرف سے سزا کا واضح سبب ہے[1]۔

[1] اس کی تفصیل دیکھیے کتاب: القطع والظن عند الاصولیین 2/458 میں۔

علماءِ اصولِ فقہ[2] نے اس مسئلے کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور مثال کے طور پر بت کو سجدہ کرنے والے کا ذکر کیا۔ان کا فیصلہ یہ ہے کہ: اگر وہ دل سے قصد کر کے سجدہ کرے تو وہ کافر بھی ہے اور گنہگار بھی ہے۔اور اگر دل سے قصد نہ بھی ہو، صرف دنیاوی فائدہ، کسی کافر کی خوشامد، یا کوئی اور دنیوی مصلحت کی وجہ سے سجدہ کرے تو پھر بھی وہ کافر

اور گنہگار رہے، کیونکہ خود سجدہ کرنا ہی کفرِ اکبر ہے۔ پھر انہوں نے بعض بدعتیوں کا اختلاف نقل کیا جو کہتے ہیں کہ "گناہ تو صرف قصدِ قلب سے ہوتا ہے، عمل سے نہیں"۔ علماء اصول نے اس بدعت کا بھرپور اور تفصیلی رد کیا اور اس کی گمراہی کو خوب واضح کیا۔

❷ روضۃ الناظر لابن قدامہ، میری تحقیق کے ساتھ، 1/148۔

سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ آج کل کے یہ نئے مرجئی اپنی اس بات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے پھرتے ہیں، حالانکہ ابن تیمیہ اپنی کتابوں میں کئی جگہ اس کے بالکل برعکس صاف صاف لکھتے ہیں! مثال کے طور پر وہ نماز چھوڑنے والے کو کافر قرار دینے کو ترجیح دیتے ہیں، اور اس پر کھل کر لکھتے ہیں کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز بالکل چھوڑ دے وہ کافر ہو جاتا ہے ❸۔

❸ مجموع الفتاویٰ 7/612-616۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [النور: 47]

یعنی یہ لوگ منہ سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے، اور ایسے لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

یہاں اللہ نے ان سے ایمان کا نام ہی چھین لیا صرف اس لیے کہ انہوں نے عمل سے منہ موڑ لیا، حالانکہ زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کر رہے تھے۔ قرآن اور سنت میں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں عمل نہ کرنے والے سے ایمان کا لفظ ہی اٹھا لیا گیا، بالکل اسی طرح جیسے منافق سے ایمان کا نام ہٹا دیا جاتا ہے۔ رہا وہ شخص جو دل سے تو جانتا ہو لیکن ظاہری طور پر دشمنی اور مخالفت کرے، تو اسے کبھی بھی مؤمن نہیں کہا گیا ❹۔

❹ مجموع الفتاوی 7/142۔

بعض لوگ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کوئی بھی عمل کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا، چند متشابہ آیات واحادیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ ساری متشابہ نصوص دراصل دو قسم کی دلائل میں سمیٹ لی جاتی ہیں، جنہیں آگے بیان کیا جائے گا۔(مترجم: یعنی یہ لوگ انہی دو قسم کے دلائل کو بار بار دہراتے ہیں تا کہ ظاہری کفر والے اعمال سے بھی لوگوں کو بچا سکیں)۔

پہلی قسم: یہ وہ نصوص ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص ''لا الہ الا اللہ'' کہے گا وہ جنت میں جائے گا۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ) (مسلم: 27)

یعنی، جو بندہ شک کے بغیر اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں کی شہادت دے کر اللہ سے ملے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی اسی قسم میں آتا ہے:

(ما من عبد قال: لا إله إلا الله ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة) (أخرجه البخاري رقم :5827)

یعنی کوئی بندہ بھی لا الہ الا اللہ کہے اور اسی پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ استدلال بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ جو شخص ان احادیث سے دلیل لیتا ہے، وہ صرف ایک حدیث کو پکڑتا ہے اور باقی تمام نصوص کو چھوڑ دیتا ہے جو اس کے لیے شرائط اور موانع بیان کرتی ہیں۔ مثلاً پہلی حدیث میں تو صاف شرط ہے کہ (غير شاك فيهما) یعنی دونوں شہادتوں میں ذرا سا بھی شک نہ ہو۔ دوسری حدیث میں یہ شرط تو لفظاً نہیں آئی، لیکن اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔

اسی طرح موانع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔مثال کے طور پر: جو شخص لا الہ الا اللہ تو کہتا ہو لیکن عبادت کا کوئی حصہ (یعنی سجدہ، دعا، نذر، قربانی وغیرہ) کسی اور کے لیے کردے، تو وہ کافر ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ عمل ہے جو کلمہ کو باطل کردیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾[المؤمنون:117]

یعنی جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارے، اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، یقیناً کافر کبھی فلاح نہیں پاتے۔

اسی طرح تمام امت کا اجماع ہے کہ جو شخص دونوں شہادتیں تو کہے لیکن قیامت اور حشر کو ماننے سے انکار کردے تو وہ مؤمن نہیں رہتا۔جب ان (جنت کی بشارت) والی مطلق احادیث کو اجماع نے مقید کردیا (یعنی بعض چیزوں کے انکار سے ایمان جاتا ہے)، تو پھر انہیں پہلے بیان کی گئی صریح آیات واحادیث سے بھی ضرور مقید کیا جائے گا جو بتارہی ہیں کہ بعض اعمال (جیسے شرک، سحر، بت کو سجدہ، رسول کی تکذیب) بھی کفر ہیں جو ایمان کو بالکل ختم کردیتے ہیں۔

دوسری قسم: دوسری قسم کی دلائل: یہ وہ نصوص ہیں جو بتاتی ہیں کہ بعض لوگ ایک نیکی کیے بغیر بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔مثلاً وہ مشہور حدیث جس میں ایک شخص نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد مجھے جلا کر راکھ کردو، کیونکہ میں نے زندگی میں ایک نیکی بھی نہیں کی۔

اللہ نے اسے اس کے شدید خوفِ خدا کی وجہ سے معاف کردیا اور جنت میں داخل کردیا (بخاری: 3478)۔اسی طرح وہ شخص جس نے ننانوے قتل کیے، پھر توبہ کی۔ملائکۂ عذاب نے کہا: (إنه لم يعمل خيراً قط) اس نے کبھی ایک نیکی بھی نہیں کی، لیکن اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے جنت دے دی (مسلم: 2766)۔اس قسم کی اور بھی احادیث

ہیں۔

البتہ یہ احادیث دو قسم کے لوگوں کے بارے میں آئی ہیں: **پہلی قسم**: وہ لوگ جو اعمال کے وجوب سے جاہل تھے، انہیں پتا ہی نہ تھا کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ فرض ہیں، انہوں نے بس کلمہ پڑھ لیا اور سمجھ لیا کہ بس یہی کافی ہے۔(اللہ نے ان کی جہالت اور خالص نیت کی وجہ سے ان پر رحم فرمایا)۔**دوسری قسم**: وہ لوگ جنہوں نے موت سے پہلے توبہ کر لی، لیکن توبہ کے بعد عمل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔یعنی ان پر ابھی عمل واجب ہی نہیں ہوا تھا، اس لیے ان سے کوئی نیکی نہ ہونے کے باوجود اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

بغیر کسی عمل کے ایمان کا درست ہونا

پچھلی پوری بحث سے بالکل واضح ہو گیا کہ مرجئوں کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان بغیر کسی عمل کے بھی بالکل درست اور مکمل ہو جاتا ہے۔کیونکہ جب وہ کہتے ہیں کہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا قول کہے یا کتنا ہی بڑا عمل کرے، کفر نہیں ہوتا، کفر تو صرف دل کے اعتقاد سے ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک ایمان کے ساتھ کوئی عمل نہ بھی ہو تب بھی ایمان صحیح ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:

(جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رسالہ الایمان میں نقل کیا ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور جن ائمہ رحمہم اللہ کو ہم نے پایا، ان سب کا اجماع تھا کہ وہ سب کہتے تھے: ایمان قول وعمل اور نیت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر کسی ایک سے کام نہیں

چلتا)۔(الإيمان ص 197)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ہمارے گزرے ہوئے سلف میں سے کوئی بھی ایمان اور عمل کے درمیان فرق نہیں کرتا تھا۔عمل ایمان کا حصہ ہے اور ایمان عمل کا حصہ ہے۔ ایمان ایک ایسا جامع نام ہے(جیسے اسلام، دین،ملت کا نام جامع ہے) جوقول، دل کے یقین اور عمل سب کو سمیٹتا ہے۔عمل اس کی صداقت اور تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص زبان سے ایمان لائے، دل سے اسے پہچان لیا اور یقین کرلیا، اور پھر اپنے عمل سے اس کی تصدیق کردی، یہ وہی عروۃ الوثقیٰ (وہ مضبوط حلقہ) پکڑنے والا ہے جو کبھی ٹوٹتا نہیں۔ اور جو صرف زبان سے کہہ دے، دل سے نہ مانے اور عمل سے تصدیق نہ کرے، وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ یہ بات سلف اور خلف (گزرے ہوئے اور بعد والے علماء) میں سے بہت سے لوگوں سے بالکل معروف اور مسلمہ ہے)۔(فتاوى ابن تيمية:7/296)

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ:

پوری امت کا اجماع ہے کہا گر کوئی شخص دل سے حدیثِ جبریل میں بیان کیے گئے تمام عقائد (ایمان باللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت اور تقدیر پر) پورا یقین رکھے،لیکن حدیثِ جبریل ہی میں بیان کیے گئے اسلام کے ارکان (یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) پر عمل نہ کرے،تو اسے مؤمن نہیں کہا جائے گا۔(مجموع الفتاوى:7/336)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے جہم بن صفوان اور اس کے پیروکاروں کی سخت غلطی واضح ہوجاتی ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف دل کا ایمان، بغیر کسی ظاہری ایمان اور عمل کے،

آخرت میں نفع دے گا۔ یہ بات بالکل ناممکن اور محال ہے۔"
(مجموع الفتاوی (7/553) اور دیکھیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا وہ کلام جو اس سے پہلے صفحہ 23 پر نقل ہو چکا ہے)

تکفیر کو صرف اس چیز تک محدود رکھنا جس پر اجماع ہو

تکفیر کو صرف اس چیز تک محدود رکھنا جس پر اجماع ہو مرجئوں کا ایک اور عقیدہ یہ ہے کہ:

"جس چیز پر امت کا صریح اجماع نہ ہو، اس پر تکفیر نہیں کی جا سکتی، چاہے قرآن اور حدیث میں کتنا ہی واضح کفر کا حکم کیوں نہ ہو۔"

یہ بات سراسر غلط ہے۔ اجماع شریعت کا صرف ایک حصہ ہے، نہ کہ واحد دلیل۔ ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سب سے بڑی دلیل ہیں۔ اگر قرآن مجید نے کسی شخص یا عمل کو کافر قرار دے دیا تو ہم پر لازم ہے کہ اسے کافر کہیں۔ اسی طرح اگر نبی کریم ﷺ نے کسی کو یا کسی عمل کو کافر کہا تو ہم پر واجب ہے کہ اس حکم پر عمل کریں۔ تکفیر ایک شرعی حکم ہے، اور شرعی احکام نکالنے کے لیے ہم کتاب، سنت اور اجماع تینوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر قرآن اور سنت نے کسی کو کافر کہہ دیا تو ہمارے لیے اسے کافر کہنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی ہے، اور یہی تو **لا إله إلا الله محمد رسول الله** کی شہادت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔

تکفیر ایک شرعی حکم ہے، اس لیے اس میں شرعی دلائل ہی دیکھے جائیں گے۔ شرعی احکام کا قائم ہونا اجماع سے مشروط نہیں ہوتا۔ اگر اجماع ہو تو بہت اچھا، لیکن اگر اجماع نہ ہو اور قرآن و حدیث میں واضح دلیل موجود ہو تو پھر بھی حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس میں آپ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

(إلا أن تروا منهم كفراً بواحاً عندكم فيه من الله برهان)❶

یعنی: سوائے اس کے کہ تم ان سے صاف کفر دیکھو، جس کے پاس تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔

❶ اسے امام بخاری نے حدیث نمبر(7056) میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

دیکھیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکفیر کے لیے شرعی دلیل کا ہونا شرط قرار دیا، اجماع کا ہونا شرط نہیں بنایا۔

کفر کو صرف جحود (انکارِ قلبی) تک محدود رکھنا

مرجئوں کا ایک اور بڑا عقیدہ یہ ہے کہ کفر صرف دل سے جھٹلانا اور انکار کرنا ہے۔ ان کے نزدیک جب تک انسان دل سے حق کو نہ مانے اور اسے جھوٹا نہ کہے، وہ کافر نہیں ہو سکتا، چاہے زبان سے کتنا ہی کفر بولے، بت کو سجدہ کرے، جادو کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرے، کچھ بھی کرے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ بات لغتِ عربی سے ثابت ہے، کیونکہ کفر کا لفظی معنی ہے چھپانا اور ڈھانپنا (جیسے کسان رات کو بیج کو مٹی سے ڈھانپ دیتا ہے)۔ اس لیے ان کے نزدیک کفر صرف وہ ہے جو دل میں حق کو چھپا دے اور جھٹلا دے۔ اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ﴾ [العنکبوت:68]

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلا دے جب وہ اس کے پاس آ چکا ہو؟ کیا جہنم میں کافروں کے لیے ٹھکانا نہیں؟

یہ بات تو بالکل درست ہے کہ دل سے جھٹلانا اور تکذیب کرنا کفرِ اکبر ہے اور انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کفر صرف یہی ایک طریقے سے ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث کی صریح نصوص بتاتی ہیں کہ کفر کے بہت سے اور راستے

بھی ہیں۔مثلاً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق اور استہزاء بھی کفر ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبہ:65-66]

کہہ دو: کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ اب عذر پیش نہ کرو، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

کفر بعض اوقات دین سے منہ موڑنے اور اعراض کرنے سے بھی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾ [الأحقاف:3]

اور جنہوں نے کفر کیا، وہ تو اس چیز سے منہ موڑنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا۔

کفر بعض اوقات نفاق سے بھی واقع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾ [المنافقون:3]

یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، اب وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

کفر بعض اوقات صرف شک سے بھی ہو جاتا ہے۔سورۃ الکہف میں باغ والے کافر کا جو قصہ ہے، اللہ نے اسے کافر اسی لیے کہا کہ اس کے دل میں قیامت پر شک تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ

السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ۞ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ [الکھف:35-37]

اور اپنے باغ میں داخل ہوا اس حال میں کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور میں قیامت کو ہونے والی خیال نہیں کرتا، اور البتہ اگر میں اپنے رب کے ہاں لوٹا یا بھی گیا تو اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔اسے اس کے ساتھی نے گفتگو کے دوران میں کہا کیا تو اس کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے بنایا پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔

کفر بعض اوقات زبان سے کفر کا کلمہ بولنے یا کفر والے عمل کرنے سے بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے کئی آیات واحادیث سے گزر چکا ہے۔

عمل کا ایمان میں داخل ہونا

مرجئوں کی سب سے بڑی بدعت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: اعمال (نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نیکیاں، گناہ چھوڑنا) ایمان کے نام میں داخل ہی نہیں ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اعمال کو ایمان کا حصہ مان لیا تو پھر تو ہر گناہ کرنے والا کافر کافر ہو جائے گا! کیونکہ اگر ایمان ایک مرکب چیز ہے (یعنی قول اور عمل)، تو جیسے ہی ایک جزو (یعنی عمل) نکل جائے، سارا ایمان ہی ختم ہو جائے گا۔

شریعت کی نصوص تو ایک کے بعد ایک لگاتار آتی چلی جا رہی ہیں کہ اعمال ایمان کے نام میں داخل ہیں، اور ایمان محض دل کی بات نہیں ہے۔ان میں سے چند مثالیں یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [البقرہ:143]

اور اللہ ایسا ہرگز نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کردے۔

یہاں اللہ نے نماز کو ایمان کا نام دیا! واقعہ یہ تھا کہ قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ چکے تھے اور انتقال کر گئے تھے۔ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! ان کی وہ نمازیں کیا ہوئیں؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی نمازوں کو ایمان کہہ کر فرمایا کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی۔ (یہ حدیث صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے موجود ہے [1])

[1] اسے امام بخاری نے حدیث نمبر 4492 میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ [الأنفال:2-4]

حقیقی مؤمن تو بس وہی ہیں جن کے دل اللہ کا نام سنتے ہی ڈر جاتے ہیں، جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے، اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہی جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند درجے، مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔

اللہ نے مکمل اور سچے ایمان والے مؤمن وہ قرار دیے جو ان اعمال والی صفتوں سے متصف ہوں۔ (یعنی مکمل ایمان کی تعریف ہی اللہ نے اعمال سے کر دی)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ ﴾

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔پس جو شخص اس کے علاوہ طلب گار ہو تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں۔اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔وہی وارث ہیں۔ جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾[الحجرات:15]

بے شک سچے مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیَاتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ۝ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾[السجدة:15-16]

بس ہماری آیتوں پر وہ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ۩۔اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(آمركم بالإيمان بالله وحده، هل تدرون ما الإيمان بالله وحده؟ شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصيام رمضان، وأن تعطوا الخمس من المغانم)[1]

یعنی: میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔کیا تمہیں معلوم ہے اللہ پر ایمان کیا ہے؟ یہ ہے: کلمہ پڑھنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے،نماز قائم کرنا،زکوٰۃ دینا،رمضان کے روزے رکھنا،اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دینا۔

[1] اسے امام بخاری نے حدیث نمبر 4368 میں اور امام مسلم نے حدیث نمبر 17 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی تعریف ہی ان اعمال سے کر دی۔اب کوئی مرجئ یہ نہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی تصدیق کا ذکر ہی نہیں کیا،کیونکہ دل کا یقین تو ایسی بنیادی چیز ہے جو ہر ایک کو پہلے سے معلوم ہوتی ہے،اس لیے آپ نے اس کا الگ سے ذکر نہ کیا،لیکن جو چیزیں لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت تھیں،یعنی اعمالِ ظاہری،انہیں صاف صاف ایمان کا حصہ قرار دے دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

(الإيمان بضع وستون أو بضع وسبعون شعبة،أعلاها قول لا إله إلا الله،وأدناها إماطة الأذى عن الطريق،والحياء شعبة من الإيمان)❷

یعنی: ایمان ساٹھ یا ستر سے کچھ اوپر شاخیں رکھتا ہے۔اس کی سب سے اونچی شاخ کلمہ طیبہ ہے،سب سے نچلی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے،اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

❷ اسے امام مسلم نے حدیث نمبر 35 میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے،اور اس کی اصل صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک جید سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(من أحب لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان)❸

یعنی: جس نے اللہ کے لیے محبت کی،اللہ کے لیے بغض رکھا،اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکا،تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔

❸ اسے جید سند سے روایت کیا ہے: امام ابوداؤد نے حدیث نمبر 4681 میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے،امام احمد نے مسند احمد 3 / 438 میں بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے،اور امام ترمذی نے حدیث نمبر 2523 میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے۔

سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(المؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم)❹

یعنی: سچا مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کی جان ومال محفوظ رہیں۔

❹ اسے روایت کیا ہے: امام ترمذی نے حدیث نمبر 2629 میں،اور امام نسائی نے 8/104 میں۔(سند صحیح ہے)۔

مرجئوں کا یہ اعتراض کہ: اگر اعمال کو ایمان کا حصہ مان لیا تو پھر ایک گناہ کرتے ہی سارا ایمان ختم ہو جائے گا! یہ بالکل غلط ہے۔ایمان ایک درخت کی طرح ہے۔ اعمال اس کی شاخیں اور پتے ہیں، جو یقیناً درخت کا حصہ ہیں، لیکن اگر چند پتے جھڑ جائیں یا کوئی شاخ ٹوٹ جائے تو درخت کا نام درخت ہی رہتا ہے، وہ ختم نہیں ہو جاتا۔

مرجئوں کا ایک اور بڑا سہارا یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: دیکھو! قرآن میں جگہ جگہ اللہ نے ایمان کے ساتھ عمل کو الگ سے جوڑا ہے، جیسے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [مریم:96]

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔

اور عربی زبان میں جب دو چیزوں کو واو سے جوڑا جاتا ہے (عطف کیا جاتا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

اس اعتراض کا جواب بالکل سیدھا ہے: قرآن میں بارہا خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے، یعنی کوئی چیز پہلے عام طور پر ذکر ہو جاتی ہے، پھر اسی کا کوئی خاص حصہ دوبارہ الگ سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ عربی زبان کا بالکل جائز اور عام طریقہ ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ﴾ [البقرہ:277]

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی......

نماز اور زکوٰۃ تو خود صالح اعمال میں شامل ہیں، پھر بھی اللہ نے انہیں الگ سے جوڑ دیا۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [العصر:3]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک عمل کیے، ایک دوسرے کو حق کی

نصیحت کی اور صبر کی تلقین کی۔

حق کی نصیحت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا بھی صالح اعمال ہی ہیں، پھر بھی الگ سے ذکر کیا گیا۔

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ﴾ [البقرہ:238]

نمازوں کی حفاظت کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی۔

ظہر کی نماز تو تمام نمازوں میں شامل ہے، پھر بھی الگ سے جوڑ دی گئی۔

﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّـهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ﴾ [البقرہ:98]

جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو۔

جبریل اور میکائیل تو ملائکہ میں شامل ہیں، پھر بھی الگ سے ذکر ہوئے۔

﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾ [الرحمٰن:68]

ان دونوں جنتوں میں پھل ہیں اور کھجور اور انار (بھی)۔

کھجور اور انار تو پھلوں میں شامل ہیں، پھر بھی الگ سے جوڑے گئے۔

(یہ سب مثالیں بتاتی ہیں کہ عربی زبان میں خاص کو عام پر عطف کرنا بالکل درست اور عام ہے؛ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں بالکل الگ اور بے تعلق ہیں)۔

جو لوگ اعمال کو ایمان سے بالکل باہر نکالتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں: پہلی قسم تو یہ کہتی ہے کہ ایمان اور عمل کا دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں، یہ صرف دل کی بات ہے، اور پچھلی تمام آیات واحادیث نے ان کے اس موقف کو سرے سے رد کر کے رکھ دیا ہے۔ دوسری قسم مرجئہ الفقہاء ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں، یعنی ایک کے بغیر دوسرا نہیں ہوسکتا، کچھ علماء نے کہا[1] کہ ان سے اہلِ سنت کا اختلاف صرف لفظی ہے کیونکہ ہم اعمال کو ایمان کا جزو مانتے ہیں اور وہ اس کا لازم مانتے ہیں، یعنی عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں، لیکن آج کے نئے مرجئ تو ان سے بھی آگے نکل گئے؛ وہ تو یہ بھی نہیں مانتے

کہ عمل ایمان کا لازم ہے، ان کے نزدیک چاہے کوئی کتنا بڑا گناہ کرے یا کفر والا عمل ہی کیوں نہ کرے ایمان پر ذرا سی بھی آنچ نہیں آتی، جبکہ مرجئہ الفقہاء کم از کم اتنا تو مانتے تھے کہ جب لازم (عمل) نہ ہو تو ملزوم (ایمان) بھی نہیں رہتا۔(اس لیے آج کا یہ نیا مرجئی فتنہ پرانے مرجئوں سے بھی کہیں زیادہ خطرناک اور گمراہ کن ہے)۔

بہرحال، مرجئہ الفقہاء کا قول بھی غلط ہے، کیونکہ وہ پچھلی صریح نصوص (نماز کو ایمان کہنا، ایمان کی ساٹھ ستر شاخیں، مکمل ایمان کی شرط وغیرہ) کے بالکل خلاف ہے جو بار بار بتا رہی ہیں کہ اعمال ایمان کے نام میں داخل ہیں۔ لفظی اختلاف کہہ کر بات کو ہلکا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب لفظ ہی بدل جائے تو اس کے بہت سے شرعی نتائج بھی بدل جاتے ہیں، اور کچھ علماء نے اسی اختلافِ لفظی پر درجنوں عملی ثمرات گنوائے ہیں جو اہلِ سنت والجماعت اور مرجئہ الفقہاء کے درمیان فرق ڈالتے ہیں۔

❶ جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاویٰ میں (7/297 اور 7/575) اور علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے شرح العقیدۃ الطحاویہ میں (صفحہ 309، تحقیق: شعیب الارنؤوط) بیان فرمایا ہے۔

❖❖❖❖